شریعت، قانون، اخلاق اور دیانت کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے

(فرمودہ ۱۸ / جنوری ۱۹۳۵ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں گلے اور سر درد کی وجہ سے اونچی آواز سے نہیں بول سکتا مگر پھر بھی کوشش کروں گا کہ آواز دوستوں تک پہنچ جائے۔

میں آج اس اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں جو کئی لوگ کرتے ہیں کہ ہمارے خلاف منافرت کا جذبہ آج کل اس شدت سے پھیلایا جارہا ہے کہ اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی مختلف احمدیہ جماعتوں کے لئے امن اور آرام سے رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ کہیں ہم لوگوں کا بائیکاٹ کیا جارہا ہے، کہیں مارا اور پیٹا جارہا ہے، کہیں گالیاں دی جاتیں اور بدزبانی کی جاتی ہے اور بھی کئی قسم کے دکھ دیئے جاتے ہیں مگر ہماری طرف سے سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہیں ہے۔ خاموشی سے مراد یہ ہے کہ بے شک وہ سکیم جو میں نے بتائی ہے اس کی طرف جماعت کی توجہ ہے لیکن بعض دوستوں کی رائے ہے کہ سکیم کا طریقِ اصلاح بالکل اور قسم کا ہے اور ہمارے ملک کی حالت اس قسم کی ہے اور اتنی جلدی جلدی بدل رہی ہے کہ جب تک گورنمنٹ کو زور سے توجہ نہ دلائی جائے اور عارضی اصلاح کا انتظام نہ کیا جائے، بیرونی جماعتوں کے لئے خصوصاً چھوٹی جماعتوں کے لئے نہایت خطرناک صورت

کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔

جیسا کہ میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا میں جماعت کو قانون کی حدود سے بھی نیچے رکھتا ہوں جیسا کہ احرار کے جلسہ پر میں نے نصیحت کی تھی کہ خواہ تمہیں یا تمہارے کسی رشتہ دار کو مار بھی دیا جائے تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیئے حالانکہ خود حفاظتی کے لئے ہاتھ اٹھانا قانوناً جائز ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں گھس جائے اور اس کا اسباب باہر پھینکنے لگے اور اسے کہے کہ نکل جاؤ تو قانون گھر والے کو اجازت دیتا ہے کہ اس سے لڑے اور اگر حملہ آور اپنی ضد پر قائم رہنے کی وجہ سے کوئی زیادہ نقصان بھی اٹھائے تو عدالت یہی فیصلہ کرے گی کہ گھر والا حق پر تھا اور حملہ آور ناحق پر۔ تو باوجود اس کے کہ قانون دفاع کی اجازت دیتا ہے، اس کے علاوہ عقل اور مذہب بھی اس کی اجازت دیتے ہیں مگر میں نے یہی حکم دیا کہ خواہ مارے جاؤ، ہاتھ ہرگز نہیں اُٹھانا۔ اس سے میرا مقصد یہ بتانا تھا کہ ہماری جماعت انتہاء درجہ کی انگیخت کے باوجود جذبات کو دبا سکتی اور دبا لیتی ہے۔ پس اس وقت جو خواہش مَیں نے اپنی جماعت سے کی تھی وہ قانون کی پابندی سے بھی زیادہ پابندی عائد کرتی تھی۔ میں نے دسمبر کے پہلے خطبوں میں سے کسی میں بیان کیا تھا کہ ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے اور مذہبی جماعت ہونے کے لحاظ سے ہماری انجمنیں خالص مذہبی کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں اور میری فطرت یہ پسند نہیں کرتی کہ ہم کوئی ایسا کام کریں جو دھوکا بازی ہو۔ یعنی جو انجمنیں مذہبی کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں وہ سیاسی امور میں دخل دیں۔ ان انجمنوں میں سرکاری افسر اور معمولی ملازم بھی ہیں، ریاستوں کے لوگ بھی ہیں اس لئے کوئی ایسا کام کرنا جسے اخلاق اور شریعت ناجائز قرار دے، درست نہیں ہوسکتا۔ پس مَیں جماعت کو ہمیشہ نصیحت کرتا رہا ہوں کہ قانونی حدود کے اندر رہنے کے علاوہ وہ یہ احتیاط بھی کریں کہ سیاسی امور سے بھی علیحدہ رہیں تا دیانت کا اعلیٰ معیار پیش کر سکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے بڑے اور چھوٹے ملازم سب میں سے ایک طبقہ سیاسیات میں دخل دیتا ہے۔ کئی ہندوستانی افسر ہیں جو کانگرسیوں کو بُلاتے، چندے دیتے اور انہیں حکومت کے خلاف اُکساتے ہیں مجھے ایک کانگرسی لیڈر نے بتایا کہ ایک ہندوستانی جج اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ کانگرس کو بطور چندہ دیتا ہے تا اس سے ان مسلمان مولویوں کو تنخواہیں دی جائیں جو مسلمانوں کو ورغلانے کیلئے کانگرس نے رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے اس امر کے متعلق ایک دفعہ دوران گفتگو میں

سابق گورنر پنجاب سر جافری (SIR GEOFFREY) سے ذکر کیا کہ سرکاری ملازم اس طرح کی بد دیانتیاں کرتے ہیں تو انہوں نے ایک جج کا نام لیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ یہ تو نہیں ہے اور کہا کہ ہمیں بھی اس کے متعلق شکایات پہنچی ہیں مگر چونکہ ہمارا طریق جاسوسی اور شکایت کرنے کا نہیں اس لئے میں نے نام تو نہ بتایا مگر جس کا نام انہوں نے لیا وہ نہیں تھا جس کا مجھ سے ذکر کیا گیا تھا۔ بہرحال اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس بھی ایسی شکایتیں پہنچتی رہتی تھیں اور ایسے افسر ایک سے زیادہ تھے۔ چونکہ سر جافری نے جس کا نام لیا وہ اور تھا اور میرے علم میں جو تھا اور تھا اس لئے ثابت ہؤا کہ ایک سے زیادہ آدمی ایسے تھے جن کے متعلق اس قسم کے شُبہات تھے کہ وہ تنخواہ کا ایک حصہ اس امر پر خرچ کرتے ہیں کہ حکومت کے خلاف شورش میں اضافہ ہو۔ تو کرنے کو تو لوگ سب قسم کے کام کر لیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ طریق جائز ہے۔ جو شخص حکومت سے تنخواہ وصول کرتا ہے وہ اگر دل میں اس کے بعض احکام کو بُرا بھی سمجھے تو بھی اس کا فرض ہے کہ جب تک ملازمت کرتا ہے حکومت کے قوانین کی اطاعت کرے اور اس کا خیرخواہ رہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے اخلاق کو بٹہ لگاتا ہے اور اگرچہ حکومت اسے نہ بھی پکڑ سکے اس کے دل میں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ میں مجرم ہوں اور جب وہ خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا تو اسے ماننا پڑے گا کہ میں مجرم ہوں اس لئے گو ہماری بہت سی انجمنوں میں سرکاری ملازم نہیں ہیں اور جماعت میں بھی شاید سرکاری ملازمین کی تعداد پانچ فیصدی ہو باقی پچانوے فیصدی احباب جماعت تاجر، پیشہ ور، زمیندار اور صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے ہیں اور ان کے لئے قانونی حد تک سیاسیات میں دلچسپی لینا جائز اور درست ہے۔ پھر ہماری انجمنوں میں سے بہت سی ایسی ہیں جن میں سرکاری ملازم کوئی نہیں مگر چونکہ بعض میں ہیں چاہے ایسی انجمنوں کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ سیاسیات سے مشابہ باتوں کی بھی اجازت جماعت کو دوں کیونکہ ہمارے اخلاق کا معیار دوسروں سے بلند ہونا چاہئے۔ بے شک یہ باتیں دھوکا دینے والی قومیں کر لیتی ہیں مگر ہمیں ان کی نقل نہیں کرنی چاہئے اور ایسا طریق عمل اختیار کرنا چاہئے کہ کوئی ہم پر انگلی نہ اٹھا سکے لیکن چونکہ جماعت میں یہ احساس ہے اور صحیح ہے کہ خواہ ایک شخص کے ہاتھ پر دس کروڑ انسانوں نے بیعت کر رکھی ہو پھر بھی اس کی طرف سے جو آواز بلند ہو اس کے متعلق یہی حکومت سمجھتی ہے کہ ایک آواز ہے خواہ وہ دس کروڑ انسانوں کی آواز سے زیادہ وقیع ہو

اس لئے جماعت کو اظہارِ خیال کا موقع ملنا چاہئے اس وجہ سے میں آج اس کا علاج بتانے لگا ہوں۔ میں نے بھی دیکھا ہے جب ایک شخص کی طرف سے حکومت کو ایسی غلطیوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جو ملک کے امن کو برباد کرنے والی ہوں تو حکومت یہی سمجھتی ہے کہ یہ ایک آدمی کہہ رہا ہے خواہ وہ کتنا بااثر ہو مگر ہے تو ایک ہی لیکن اگر وہی بات جماعت کی طرف سے پیش کی جائے تو چونکہ اس حکومت کی بنیاد ڈیموکریسی (DEMOCRACY) پر بتائی جاتی ہے اور برطانوی حکومت اس بات پر فخر کرتی ہے کہ وہ اس آواز کے ماتحت چلتی ہے جو ملک کی طرف سے پیدا ہو (اس میں اور دوسری حکومتوں میں یہ فرق ہے کہ دوسری حکومتوں میں رعایا حکومت کے تابع ہوتی ہے مگر ہماری حکومت رعایا کے تابع ہے) پس یہ حکومت اس وقت توجہ کرتی ہے جب ملک کی طرف سے کوئی مطالبہ پیش ہو۔ اگرچہ یہاں ڈیموکریسی پوری طرح قائم نہیں اور انگلستان میں جو اصول ہیں وہ یہاں نہیں ہیں مگر ابتداء ہو چکی ہے اور مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارمز[1] (Montague Chelmsford Reforms) کے بعد کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان کی حکومت نیابتی اصول پر قائم کی جائے اور اب جو نئی سکیم تیار ہوئی ہے اس میں کئی باتیں پہلے سے بھی اچھی ہیں مگر بعض بری بھی ہیں مگر اچھی بہت سی ہیں۔ پس قدرتی طور پر حکومت ہر معاملہ میں یہ دیکھتی ہے کہ ملک کی رائے کیا ہے اور اسی وجہ سے وہ حکام جو ہمارے نظام اور خلیفہ کے ساتھ جماعت کی فدائیت کو نہیں سمجھتے ان پر جماعت کی رائے ہی اثر پیدا کر سکتی ہے۔ پس ان دونوں امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو جماعتیں یہ چاہتی ہیں کہ قانون کی حد میں رہتے ہوئے انہیں حکومت کے سامنے اپنے جذبات کے اظہار کی اجازت ہونی چاہئے وہ اپنی الگ انجمنیں بنائیں جن میں سرکاری ملازم نہ ہوں جو جماعتیں ایسا کریں گی انہیں میں اجازت دے دوں گا کہ وہ سلسلہ کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے سیاسیات میں دخل دے سکتی ہیں۔ یہ الفاظ میں خوشی سے نہیں کہہ رہا بلکہ انہیں کہتے ہوئے ایک بوجھ محسوس کرتا ہوں کیونکہ پورے اکیس سال ہو گئے جب سے کہ میں نے ''الفضل'' جاری کیا میں برابر روز و شب اسی کوشش میں رہا ہوں کہ جماعت کو سیاسیات سے الگ رکھوں اور اس اصل کے لئے میں نے اپنوں سے بھی لڑائیاں کیں۔ حکومت کا کوئی وائسرائے یا گورنر یا کوئی اور ممبر حکومت یہ پیش نہیں کر سکتا کہ اسے اس وجہ سے مجھ سے زیادہ گالیاں ملی ہوں کہ وہ لوگوں کو سیاست سے روکتا ہے۔ کسی ایک افسر کا نام ہی بتایا جائے کہ اسے اس وجہ سے مجھ

سے زیادہ گالیاں ملی ہوں۔ اکیس سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں جو میں نے اس بات کے لئے خرچ کر دیا کہ جماعت احمدیہ سیاسیات میں حصہ نہ لے اور اس قدر لمبے عرصے تک میں نے ان اصول کے لئے جو انگریز بھی جاری کرنا نہیں چاہتے اپنوں اور بیگانوں سے گالیاں کھائیں۔ انگریزوں کا اصل یہ ہے کہ ملک میں ایجی ٹیشن (AGITATION) ہونی چاہئے۔ میں نے حکام سے کئی دفعہ اس امر پر بحث کی ہے کہ یہ غلط پالیسی ہے میں نے سر اڈوائر (Sir O'Dwyer) پر اس کے متعلق زور دیا، سر میکلیگن [۲] پر زور دیا اور انہیں سمجھایا کہ جب تک یہ پالیسی ترک نہ کی جائے گی نہ امن قائم ہوسکتا ہے نہ انصاف۔ حکومت کا اصل یہ ہونا چاہئے کہ سچ کیا ہے۔ اگر کروڑوں آدمی جھوٹی ایجی ٹیشن کرتے ہیں اور ان کے مقابل پر صرف ایک ہے جو سچا ہے تو خواہ وہ کنگال ہی کیوں نہ ہو حکومت کو چاہئے کہ اس کی بات مانے۔ جب حکومت کی طرف سے یہ کہا جائے گا کہ جب تک ایجی ٹیشن نہ ہو، ہم نہیں مانیں گے، اس وقت تک لوگ ضرور ایجی ٹیشن کرنے پر مجبور ہوں گے۔ مگر مجھے اس کا جو جواب دیا جاتا رہا وہ یہی تھا کہ یہ بات ڈیموکریسی کے اصول کے منافی ہے۔ پس اکیس سال کی زبردست جدوجہد کے بعد میں آج یہ بات کہہ رہا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس اصل کو ترک کرتا ہوں۔ میرا اصل ہمیشہ یہی رہے گا کہ سیاسیات سے جہاں تک ہو سکے جماعت کو الگ رکھوں اور اگر ہمیں اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہمیں مجبوراً دخل دینا پڑا۔ ہماری تعداد نہ سہی دس لاکھ، نہ سہی پانچ لاکھ، نہ سہی دو لاکھ، چھپن ہزار ہی سہی مگر کیا چھپن ہزار انسانوں کی جانوں کی کوئی قیمت نہیں ہؤا کرتی۔ ہمارے بھی جذبات اور احساسات ہیں، ہماری بھی بیویاں اور بچے ہیں اور آج ان کی جانیں خطرہ میں نظر آتی ہیں۔ ہم نے سالہا سال تک مسلمانوں کی خدمت کی۔ جب ان کے بھائی بند ملکانے آریہ ہونے لگے تو ہم گئے۔ اس زمانہ میں لاہور میں ڈھنڈورہ پٹوایا گیا کہ کہاں ہیں احمدی وہ خدمت اسلام کے دعوے کیا کرتے ہیں۔ آخر ہمارے سینکڑوں آدمی وہاں گئے ہم نے لاکھوں روپیہ وہاں خرچ کیا اور ہماری کوششوں سے ہزارہا ملکانے واپس ہوئے مگر اس سب خدمت کا نتیجہ کیا ہؤا؟ یہ کہ قادیان میں ایک جلسہ ہؤا اور اس میں ایک مولوی نے بیان کیا کہ احمدی ہونے سے آریہ ہو جانا ہزار درجہ اچھا ہے اور یہ کہ اس نے ملکانوں کو جا کر بھی یہی کہا تھا کہ آریہ بے شک ہو جاؤ مگر احمدی نہ ہونا۔

پھر اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں مسلمانوں کی لاہور اور مختلف علاقوں میں جو حالت ہوئی اُس وقت کون تھے جو آگے آئے۔ ہم نے ہی اس وقت مسلمانوں کے لئے روپیہ خرچ کیا، تنظیم کی اور اس وقت ہر جگہ یہ چرچا تھا کہ احمدی بڑی خدمت کر رہے ہیں حتّٰی کہ سر میلکم ہیلی [۳] (Sir Malcolm Hailey) نے جو اس وقت گورنر تھے مسٹر لنگلے (Lingley) سے جو اُس وقت کمشنر تھے مجھے خط لکھوایا کہ آپ تو ہمیشہ حکومت کا ساتھ دیتے رہے ہیں آج کیوں اس ایجی ٹیشن میں حصہ لیتے ہیں اور میں نے انہیں جواب دیا کہ حکومت کی وفاداری سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کا غدار رہوں اور مسلمانوں کی خدمت سے یہ مراد نہیں کہ حکومت کا غدار رہوں میں تو دونوں کا بھلا چاہتا ہوں مجھے اگر سمجھا دیا جائے کہ مسلمان مظلوم نہیں تو اب اس طریق کو چھوڑنے کو تیار رہوں۔ انہوں نے تحریراً تو اس کا جواب نہ دیا مگر شملہ میں مَیں گیا تو چیف سیکرٹری نے جو غالباً ہمارے موجودہ گورنر تھے، مجھے لکھا کہ لاٹ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور جب میں ان سے ملا تو زبانی گفتگو اس پر خوب تفصیلی کی مگر اس کا کیا نتیجہ نکلا یہی کہ مسلمانوں میں سے ایک اثر رکھنے والے گروہ نے کہا کہ احمدیوں کا بائیکاٹ کرو یہ اصل میں ہمارے دشمن ہیں۔ پھر سیاسی جدوجہد کا زمانہ آیا۔ پہلے نہرو رپورٹ کے وقت اور پھر سائمن کمیشن کے وقت، پھر کانگرس کی مخالفتوں کے مواقع پر ہم نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی، اپنے پاس سے روپیہ خرچ کیا، کتابیں لکھیں اور ہر رنگ میں مسلمانوں کی خدمت کی مگر اس کا یہی جواب ملا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں ان سے ہمارا سیاسی اتحاد بھی نہیں ہوسکتا۔ ان کی بیویوں کے نکاح ٹوٹ گئے، یہ مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہیں ہو سکتے، اِس وقت بھی ڈیرہ دون میں، جموں میں اور بھی کئی مقامات پر یہی سوال شروع ہے۔ غرض یہ انعام تھا جو مسلمانوں نے ہمیں دیا لیکن یاد رہے کہ میں جب مسلمان کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ سب مسلمان ایسے ہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو یقیناً دلوں میں ہمارے لئے درد رکھتے ہیں اور اس ظلم کی برداشت نہیں کر سکتے جو ہم پر ہو رہا ہے مگر وہ خاموش ہیں کیونکہ ان میں کوئی تنظیم نہیں۔ اگرچہ ان کے دلوں کا درد ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور ہم پر مظالم کو کم نہیں کرسکتا لیکن ان کے دل کی ہمدردی کی بھی میں قدر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک بدلہ دے۔ مسلمانوں کی ملازمتوں میں حق تلفی کا سوال آیا تو اس وقت بھی ہم نے ان کی حفاظت کی۔ میں خود دو وائسرائوں سے ملا، میری ہدایت کے

ماتحت دوسرے کارکنانِ جماعت دوسرے افسروں سے ملے اور مسلمانوں کی مشکلات کو دور کیا۔اسی سلسلہ میں موجودہ گورنر صاحب سے بھی جب وہ ہوم سیکرٹری تھے، درد صاحب ملے اور ہز ایکسی لنسی لارڈ ولنگڈن [۴] نے خود مجھے مشورہ دیا کہ میں ہوم سیکرٹری صاحب سے خود ملوں یا کسی اور آدمی کو بھیجوں اور وعدہ کیا کہ وہ انہیں فون بھی کریں گے۔ چنانچہ درد صاحب ان سے ملے اور مسلمان کلرکوں کو اس ملاقات سے فائدہ بھی پہنچا اور انہوں نے گورنر ہونے سے پہلے ایسے قواعد تجویز کئے جو مسلمانوں کیلئے مفید ہیں مگر اس مدد دینے کا کیا نتیجہ نکلا یہی کہ آج سرکاری محکموں کے ملازموں میں سے کئی کیا محکمہ پولیس اور کیا دفاتر کے اور کیا دوسرے محکموں کے ہمارے خلاف حصہ لیتے ہیں ۔بعض جھوٹی رپورٹیں کرتے ہیں اور بعض ہمارے مخالفوں کو چندہ دیتے ہیں ۔ یہ بدلہ ہے جو مسلمانوں کی خدمت کا ہمیں ملا۔ مجھے یقین ہے کہ کل جب پھر ان پر مصیبت آئے گی تو وہ پھر ہمارے پاس امداد کے لئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو وسیع حوصلہ دیا ہے، اس کی وجہ سے ہم پھر ان باتوں کو بھول کر ان کی امداد کریں گے لیکن کیا یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ آسمان پر خدا ہے جو ان کے حالات کو دیکھتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں گورنمنٹ ہے جس طرح میں نے مسلمانوں کے متعلق کہا ہے اسی طرح میرا یقین ہے کہ انگریز حکام کا بھی اکثر حصہ اچھا ہے۔عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں ہندوستانی افسر ہوں، وہاں فساد ہوتے ہیں لیکن جہاں انگریز ہوں وہاں امن رہتا ہے اور جب بھی کہیں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں، ہندو مسلم دونوں یہ مطالبے کرتے ہیں کہ انگریز افسر بھیجے جائیں ۔پس جو چیز اچھی ہے اسے ہم برا نہیں کہہ سکتے مگر ۱۹۱۳ء سے لے کر آج تک میں نے زندگی کا ایک اچھا حصہ اس کوشش میں صرف کر دیا ہے کہ انگریزوں کی نیک نامی اور عزت قائم کروں۔ بڑے سے بڑا انگریز افسر جو زندہ موجود ہے اس امر کی شہادت دے سکتا ہے کہ مَیں نے اور جماعت احمدیہ نے حکومت کی مضبوطی کے لئے بہترین خدمات کی ہیں۔

جب کانپور میں مسجد کے متعلق جھگڑا ہوا تو مسلمانوں میں بڑا جوش تھا کہ حکومت مذہب میں مداخلت کرتی ہے۔اس وقت میری یہی رائے تھی کہ مسجد نہیں گرائی گئی بلکہ غسل خانہ گرایا گیا ہے اور یوں بھی میری یہ رائے ہے کہ مساجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل دینا سوائے اس کے کہ کوئی مسجد خاص طور پر مذہبی روایات کی حامل ہو جیسے بیت اللہ ہے ۔یا سوائے ان مساجد کے جو مسلمانوں کی

تاریخی مساجد ہیں جنہیں مسلمان بادشاہوں نے اسلام کی عظمت کے نشان کے طور پر تعمیر کرایا باقی عام مساجد کے متعلق میرا یہی خیال ہے کہ تمدّنی اور ملکی ضروریات کے لئے یا اگر وہ رستوں میں روک ہوں تو انہیں دوسری جگہ تبدیل کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس رائے کی وجہ سے اپنوں نے اور بیگانوں نے میرا مقابلہ کیا میری انتہاء درجہ کی مخالفتیں ہوئیں، مجھے قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ پھر جرمنی کی جنگ ہوئی اس موقع پر ہم نے کئی ہزار والنٹیئر زدیئے، سکولوں کے لڑکوں کی پڑھائیاں چھڑوا دیں اور کئی ایسے ہیں جو آج ڈرائیوریاں کرتے پھرتے ہیں محض اس وجہ سے کہ میرے کہنے پر وہ تعلیم ترک کر کے جنگ میں چلے گئے ورنہ آج وہ گریجوایٹ ہوتے۔ فرانس کے میدان، مصر کے میدان، شام وفلسطین کے اور عراق کے میدان، ایران کے میدان ان احمدیوں کے خون سے آج بھی رنگین ہیں جنہوں نے میرے کہنے پر وہاں جا کر جانیں دے دیں۔ ان واقعات کے ذکر پر بعض مسلمانوں کی طرف سے ہم پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم نے انگریزوں کی مدد کی اور ان کے لئے جانیں فدا کیں مگر معترضین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے ہم مذہبوں نے بھی جانیں دیں۔ تین لاکھ کے قریب مسلمان میدان جنگ میں گئے جن میں سے احمدی صرف تین ہزار تھے مگر انہیں اپنے آدمی بھول گئے ہیں اور صرف ہمارے یاد ہیں حالانکہ ہم تو اسے جائز سمجھتے ہیں کہ جس حکومت کے ساتھ ہمارا تعاون ہو، اس کی مدد کی جائے۔ مگر ہم پر اعتراض کرنے والے اسے کفر سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے لاکھوں آدمی بھیجے۔ پس قابل الزام وہ ہیں نہ کہ ہم۔ پھر رولٹ ایکٹ[۵] کا زمانہ آیا میں نے اردگرد کے علاقوں کے سکھوں کو جمع کیا تا کہ اس علاقہ کو فساد سے بچالیں۔ بعض نے میرے بلانے کا یہ مطلب سمجھا کہ شاید میں خود کوئی حکومت قائم کرنے کے خیال میں ہوں اور انہوں نے مجھے کہلا بھیجا کہ ہم جانتے ہیں آپ کا خاندان اس علاقہ کا حکمران تھا اور ہم آپ کے لئے جانیں دینے کو تیار ہیں۔ مگر میں نے دس دس میل کے فاصلہ سے لوگوں کو یہاں جمع کیا اور انہیں سمجھایا کہ فساد کے طریق سے بچو۔ میرے اس مشورہ پر بعض لوگوں نے اس قدر بحثیں کیں کہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے کہ آج ہمارے ملک کے آزاد ہونے کا موقع آیا ہے تو تم ہمیں روکتے ہو مگر میں نے منت سے سماجت سے اور مختلف طریقوں سے ان سے اقرار لئے اور انگوٹھے لگوائے کہ ہم امن قائم رکھیں گے حالانکہ اس علاقہ میں بعض ایسے گاؤں بھی تھے جہاں گورنمنٹ کے خلاف نفرت تھی اور جہاں سے پستول برآمد ہو چکے تھے مگر ان سے بھی میں

نے اطاعت کا عہد لیا اور حکومت ہند نے ایک خاص کمیونک (COMMUNIQUE) کے ذریعہ تسلیم کیا کہ جماعت احمدیہ نے فساد کو روکا ہے اور حکومت کی مدد کی ہے۔ ہوشیار پور کے ڈپٹی کمشنر نیز اور بھی کئی مقامات کے حکام نے اقرار کیا کہ احمدیوں کی کوشش سے ان کے علاقے فساد سے بچے رہے ہیں۔ حکومت ہند کا کمیونک کوئی معمولی بات نہیں۔ سند اور چیز ہے اور کمیونک اور ہے یہ گویا اعلان عام ہے۔ لارڈ چیمسفورڈ[۶] (Lord Chelmsford) نے میرے نام اپنی چٹھی میں اس کا ذکر کیا کہ حکومت نے ایک کمیونک شائع کیا ہے کہ آپ کی جماعت نے بہت مدد دی ہے۔ پھر کابل کی لڑائی ہوئی اور اس موقع پر بھی میں نے فوراً حکومت کی مدد کی۔ اپنے چھوٹے بھائی کو فوج میں بھیجا جہاں انہوں نے بغیر تنخواہ کے چھ ماہ کام کیا۔ جو اتنا اچھا تھا کہ افسروں نے بعد میں ان کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور کوشش کی کہ وہ باقاعدہ تنخواہ دار ملازم ہو جائیں حتّٰی کہ انہیں فارغ کرانے کے لئے مجھے ایجوٹنٹ جنرل (Adjutant General) کو چٹھی لکھنی پڑی اور پھر ان کے حکم سے انہیں فارغ کیا گیا۔ اس کے بعد نان کوآپریشن (Non Co-operation) کی تحریک کا زمانہ آیا اس کا مقابلہ کرنے کیلئے میں نے ایک کتاب لکھی جو ایسے زبردست دلائل رکھتی تھی کہ حکومت نے اس کی سینکڑوں کاپیاں خرید کر تقسیم کرائیں اور ہزاروں کاپیاں میں نے خود مُفت تقسیم کرائیں۔ کئی محکموں نے لکھا کہ ایسی مدلّل اور اعلیٰ کتاب کوئی نہیں لکھی گئی۔ پھر ہجرت کا زمانہ آیا، یہ مسلمانوں پر جنون کا زمانہ تھا، وہ تجارت، زمینداره اور دوسرے کاروبار ترک کر کے چلے جا رہے تھے، میں نے اُس وقت مسلمانوں کو سمجھایا اور حکومت کی مدد کی۔ اس کے بعد ہر موقع پر جب کانگرس نے شورش کی ہم نے حکومت کی مدد کی۔

گزشتہ گاندھی موومنٹ (MOVEMENT) کے موقع پر ہم نے پچاس ہزار روپیہ خرچ کر کے ٹریکٹ اور اشتہار شائع کئے اور ہم ریکارڈ سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں۔ سینکڑوں تقریریں اس تحریک کے خلاف ہمارے آدمیوں نے کیں، اعلیٰ مشورے ہم نے دیئے جنہیں اعلیٰ حُکّام نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا مگر ان سب خدمات کا کیا نتیجہ نکلا؟ یہی کہ جب وہ لوگ جن سے ہم اس وجہ سے لڑا کرتے تھے کہ وہ حکومت کے خلاف اور اس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی حرکات کرتے ہیں جب ہم پر حملہ آور ہوئے تو ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ حکومت کیا کر رہی ہے۔ ممکن ہے حکومت کی طرف سے کچھ کارروائی ہو رہی ہو مگر مجھے معلوم نہیں اس لئے ان حالات میں مَیں مجبور ہوں کہ جماعت کو

اجازت دے دوں جس حد تک شریعت اجازت دیتی ہے وہ سیاسیات میں دخل دے سکتی ہے اور حکومت تک اپنی شکایات پہنچا سکتی ہے۔ اگر مسلمانوں میں سے بولنے والے لوگ ہمیں دھتکارتے ہیں ،اگر حکومت کے افسر ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے تو ہم مجبور ہیں کہ کسی اور کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور اس پر نہ مسلمانوں کو اور نہ حکومت کو شکوہ کرنے کا کوئی حق ہے۔ اگر کانگرس ہم سے سمجھوتہ کرے کہ نان کوآپریشن اور بائیکاٹ وغیرہ امور جنہیں تم ناجائز سمجھتے ہو انہیں چھوڑ کر باقی جائز امور میں تعاون کرو اور ہم اس بات کو منظور کر لیں تو حکومت کو کیا شکوہ ہو سکتا ہے۔ ہم چھپّن ہزار جانوں کو کس طرح خطرہ میں ڈال سکتے ہیں بے شک ہمارا توکل اللہ تعالیٰ پر ہے لیکن پھر بھی ظاہری سامانوں کی ضرورت بھی وہی بتاتا ہے۔ پس چونکہ ڈیموکریٹک طرزِ حکومت میں کسی نہ کسی کے ساتھ ضرور مل کر رہنا پڑتا ہے اکیلی جماعتیں نہیں رہ سکتیں اس لئے ہمیں حکومت کے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ، کانگرس کے ساتھ غرض کسی نہ کسی سے ضرور ملنا پڑے گا اور جو بھی ہماری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے گا ہم اس سے ملیں گے اور اس کے لئے ہر جگہ ہاتھ ماریں گے اور جو بھی ہمیں عزت کے مقام پر رکھ کر اور ہمارے اصول کی قربانی کا مطالبہ کئے بغیر ہم سے صلح کرنا چاہے گا اس کے ساتھ مل جائیں گے۔ اپنے اصول کی قربانی کے لئے ہم ہرگز تیار نہیں ہیں خواہ ہمیں کتنے خطرناک حالات کیوں نہ پیش آ جائیں۔ اگر مسلمان ہمارے ساتھ صلح کے لئے یہ شرط پیش کریں کہ ہندوؤں کے گلے کاٹو تو چونکہ ہم اسے ناجائز سمجھتے ہیں ایسا ہرگز نہیں کریں گے خواہ ہندو ہمیں نقصان ہی کیوں نہ پہنچاتے ہوں۔ ہم حکومت کے ساتھ آج تک تعاون کرتے رہے ہیں مگر کوئی نہیں ثابت کر سکتا کہ ہم نے کسی کے خلاف جاسوسیاں کی ہوں یا کبھی ناجائز فائدہ اٹھایا ہو۔ یا کبھی ذاتی مفاد کے لئے ہم نے مسلم حقوق کو نظرانداز کیا ہو۔ آج حکومت کے کئی افسر ہمارے مخالف ہیں۔ اگر ہم نے کبھی ایسا کیا ہے تو انہیں چاہئے کہ ظاہر کریں۔ کوئی یہ ثابت کر کے دکھائے کہ ہم نے کبھی حکومت سے اپنے لئے وہ چیز مانگی ہو جو باقی مسلمانوں کے لئے نہیں مانگی۔ پھر ہم نے مسلمانوں سے تعاون کیا ہے اور آج مسلمانوں کا ایک حصہ بھی ہمارے مخالف ہے ان میں سے ہی کوئی یہ ثابت کر دے کہ حکومت کے خلاف کبھی کوئی سازباز کی ہو۔ جب ہم حکومت سے ملے ہیں تو مسلمانوں کو بیچنے کی کوشش نہیں کی اور جب مسلمانوں سے ملے ہیں حکومت کے مفاد کو نہیں بیچا۔ ہم ہر حال میں اپنے اصول کے پابند رہے ہیں اور رہیں گے، چاہے

ہماری جانیں، ہماری عزتیں، ہمارے مال سب کچھ خطرہ میں کیوں نہ ہوں لیکن اس کے نیچے نیچے فتنہ و فساد کئے بغیر انصاف کو قائم رکھتے ہوئے اور محبت کے جذبات کو کچلے بغیر اپنی حفاظت کے لئے اگر اب ہمیں سیاسیات میں دخل دینا پڑے تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی جسے یہ بات ناپسند ہو مگر میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر کام جائز حد تک کرو۔ سرکاری ملازموں کو سیاسی معاملات میں دخل دینے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اگر کسی کو پتہ نہ بھی لگ سکے تو بھی خدا تعالیٰ ضرور دیکھتا ہے اور جو سرکاری ملازم ایسا کرے گا وہ مجرم ہوگا ہمیں اس کی امداد کی ضرورت نہیں۔ اس کی اصل ذمہ داری خدمتِ دین ہے اسے چاہئے کہ اسے ادا کرے۔

اس کے علاوہ میں انجمنوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اگر وہ واقع میں بے چین ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ علیحدہ انجمنیں بنائیں تا کوئی بددیانتی نہ ہو اور جب وہ بنالیں گی تو پھر اس سوال پر میں غور کروں گا کہ انہیں کس حد تک سیاسیات میں دخل دینے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ وہ جذبہ جس کے ماتحت میں اکیس سال تک کام کرتا رہا ہوں یہ الفاظ کہنے سے اب بھی مجھے روک رہا ہے اور اب بھی میں یہ کہتے ہوئے درد محسوس کرتا ہوں کہ الگ انجمنیں بناؤ۔ میرے یہ کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں اپنے گزشتہ کئے پر پشیمان ہوں۔ اب بھی مجھے یقین ہے کہ دنیا کے امن کی بنیاد برٹش امپائر (British Empire) پر ہے۔ مذہبی طور پر بھی جیسا کہ پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے اور عقلی طور پر بھی میری یہی رائے ہے اور حکومت کے کسی بگاڑ کو میں ہمیشہ عارضی یقین کرتا ہوں۔ برٹش ایمپائر بہت وسیع ہے اور بعض حکام کی زیادتیوں کی وجہ سے ساری امپائر کی خرابی ثابت نہیں ہوسکتی۔ پھر سارے ہندوستان کے افسروں کا کیا قصور ہے، پھر پنجاب کے بھی سارے صوبہ کے متعلق ہمیں ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا صرف ضلع گورداسپور یا بعض اور مقامات کے افسر زیادتی کر رہے ہیں۔ باقی اضلاع کے حکام کی جماعتیں تعریف ہی کرتی ہیں اس لئے یہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ سارے کے سارے بگڑے ہوئے ہیں اس لئے میں اپنے گزشتہ کئے پر پشیمان نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ انگریز قوم میں خوبیاں ہیں اور اچھے افسر اُن افسروں کو جن میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں خود ہی دبا دیں گے اور اس وجہ سے میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا کہ جس سے حکومت کے ساتھ ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائیں۔ کانگرس اگر نان کوآپریشن چھوڑ دے تب بھی حکومت کے ساتھ اس کی

لڑائی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ مل نہیں سکتے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی بات ہو کہ حکومت کے ساتھ ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں ہماری طرف سے یہ احتیاط ہمیشہ رہے گی ، ہاں اس کی طرف سے اگر انقطاع ہو تو اس کی مرضی ۔اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی میں قطع تعلق کو پسند نہیں کرتا۔ سیاسی طور پر ہم ان کو اپنا شریک سمجھنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ میں افراد کی شرارتوں کو ساری مسلمان قوم سے منسوب نہیں کر سکتا ان میں بہت اچھے آدمی ہیں ۔ چند ہی ہفتے ہوئے ایک آنریری مجسٹریٹ کی چٹھی مجھے ملی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے اخبار ''زمیندار'' کے بعض مضامین پڑھے تو مجھے خیال آیا کہ آپ کے سلسلہ کی کتب بھی پڑھنی چاہئیں چنانچہ میں نے پڑھیں تو مجھ پر یہ اثر ہؤا کہ آج اگر اسلام کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت ہے، تو وہ آپ کی جماعت ہی ہے اس لئے میں نے اپنے منشی کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ پانچ روپیہ ماہوار چندہ آپ کو بھیج دیا کرے ۔تو دیکھو پڑھا اخبار ''زمیندار'' مگر نتیجہ یہ ہؤا کہ ہماری مالی مدد شروع کر دی حالانکہ وہ ہماری جماعت میں شامل نہیں ہیں ۔ پس لاکھوں مسلمان ہیں جو اس شرارت کو ناپسند کرتے ہیں اور ہم یہ بے ایمانی کس طرح کر سکتے ہیں کہ شریف لوگوں کو بھی ان شریروں کی وجہ سے جو اپنی ذات میں گندے ہیں بُرا کہنے لگ جائیں اس لئے ہماری کوشش رہے گی کہ مسلمانوں کے ساتھ رہیں اور ان کی جو خدمت ہم سے ہو سکے کریں لیکن اگر مسلمان خود ایسے لوگوں کے اثر کے نیچے آ جائیں تو یہ ان کی مرضی ہے ۔ ناک رگڑ کر ہم نہ حکومت سے صلح کے لئے تیار ہیں اور نہ مسلمانوں سے ۔ ہاں ہمیں عزت کے مقام پر رکھ کر جو بھی ہمارے ساتھ ملے گا ، اس کی مصیبت کے وقت ہم سب سے آگے ہو کر لڑیں گے مگر جس سے بھی دوستی رکھیں گے اپنی عزت قائم رکھتے ہوئے رکھیں گے۔

مومن ذلیل نہیں ہوتا اگر حکومت ہم سے دوستی نہ رکھنا چاہے گی تو پھر بھی ہم قانون کی پوری پوری پابندی کریں گے اور آرام سے گھر میں بیٹھے رہیں گے ہمیں اس سے ملنے کی کیا ضرورت ہے ۔لیکن حکومت کے متعلق میرا گزشتہ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ ایسے جھگڑے عارضی ہؤا کرتے ہیں اور آخر کار وہ ٹھیک ہو ہی جایا کرتے ہیں ۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا ہے ۔حکومت کے ایک سیکرٹری ہیں ، ایک دفعہ ان سے سخت لڑائی ہوئی مگر وہ پہلے بھی ہمارے دوست تھے اور آج بھی گہرے دوست ہیں اور اس شورش میں ہمارے ساتھ پوری ہمدردی رکھتے ہیں ۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی عارضی چیز ہے اور اس

لئے کوئی ایسی بات پسند نہیں کرتا جو اسے مستقل بنا دے اور اسی وجہ سے میں اب تک اس بات سے رُکتا رہا ہوں اور اب بھی دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ سیاسی امور میں دخل دیتے ہوئے پہلے دیانت کو مدنظر رکھیں۔ دوسرے اس امر کو کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو حکومت کے اور ہمارے یا ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسی خلیج منافرت پیدا کر دے جو بھری نہ جا سکے۔ پس وہ جماعتیں جو قانون کی حدود کے اندر سیاست میں حصہ لینا چاہتی ہیں وہ الگ انجمنیں بنائیں۔ یہ دیانت کا تقاضا ہے کیونکہ ہماری موجودہ انجمنیں خالص مذہبی ہیں اور دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ سیاسی امور جوش پیدا کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے کبھی بھی جوش کے ماتحت وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جسے دوسرے وقت میں جائز نہ سمجھتے ہوں اور مجھے امید ہے کہ اس قدر لمبی ٹریننگ اور وعظ و نصیحت کے بعد وہ ضرور ایسے رنگ میں کام کریں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ یا انگریزوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے کوئی تصادم نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ شریعت، قانون، اخلاق اور دیانت کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔ باقی میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ حقوق ہمیشہ قانون کو توڑنے سے ہی مل سکتے ہیں۔ میں نے کشمیر کا کام کیا ہے اور اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بات غلط ہے۔ کشمیر کے لیڈر میرے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری سمجھ میں ہی یہ بات نہیں آتی کہ قانون توڑے بغیر کس طرح ہم کامیاب ہو سکتے ہیں مگر میں نے انہیں ہمیشہ یہی کہا ہے قانون کے اندر رہتے ہوئے میں انشاء اللہ آپ لوگوں کے حقوق دلوا دوں گا پس اس بارہ میں مَیں تجربہ کار ہوں۔ میں نے جس وقت تک کشمیر کا کام کیا ہے، اس وقت تک کے نتائج ظاہر ہیں اور جس وقت سے میں علیحدہ ہوا ہوں اور کام دوسروں کے ہاتھ میں گیا، اس وقت کا کام بھی سب کے سامنے ہے۔ میں نے سارے ریکارڈ خود جا کر ان لوگوں کو دیئے حالانکہ مسلمان انجمنوں کا گزشتہ تجربہ بتاتا ہے کہ جن حالات میں ہم الگ ہوئے تھے، اس قسم کے حالات میں کوئی سیکرٹری یا پریذیڈنٹ ریکارڈ نہیں دیا کرتا اور یہ خدا کا فضل ہے کہ ایک پیسہ کے متعلق بھی کوئی اعتراض وہ ہم پر نہیں کر سکتے۔ وہ شدید مخالفین جو آج ہمیں گالیاں دے رہے ہیں، ان میں سے بعض تحریک کشمیر میں میرے ساتھ کام کر چکے ہیں مگر کسی کو جرأت نہیں کہ میرے کام کے متعلق ایک لفظ بھی کہہ سکیں یا مجھ پر کوئی اعتراض کر سکیں۔

غرضیکہ کشمیر میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں قانون شکنی کئے بغیر کامیابی عطا کی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ

حکومتِ کشمیر کی طرف سے ایک دفعہ حکومتِ پنجاب سے میرے متعلق شکایت کی گئی کہ میں وہاں شورش کراتا ہوں۔حکومتِ پنجاب نے اس کا ثبوت مانگا تو کشمیر سے ایک خاص افسر کاغذات لے کر آیا اور بعض خطوط پیش کئے ان میں سے صرف ایک خط میرا تھا مگر اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ لوگ شورش سے بچتے رہیں اس پر وہ نادم ہو گیا اور کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے قانون شکنی کی انہیں تعلیم دی ہو۔ میرا یقین ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔قانون شکنی کی طرف ہمیشہ کم ہمت لوگ مائل ہوا کرتے ہیں مگر ہم اپنے اندر صبر اور جرأت کی طاقت رکھتے ہیں اس لئے ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو کہ قانون جب ایک دفعہ ٹوٹا تو پھر اسے قائم نہیں کیا جا سکتا۔ میں قانون شکنی سے انگریزوں کی خاطر نہیں روکتا بلکہ اپنے فائدے کے لئے اس سے منع کرتا ہوں تا ہمارے اخلاق نہ بگڑ جائیں بلکہ اگر انگریز اس کی اجازت دے دیں تو بھی ہم ایسا نہیں کریں گے۔ جب یہ عادت پیدا ہو جائے تو خواہ کوئی حکومت ہو یہ قائم رہے گی اور اگر انگریز چلے جائیں تو بھی کوئی حکومت نہیں چل سکے گی اور میں نے جہاں تک غور کیا ہے، قانون شکنی کے بغیر بھی سب کام ہو سکتے ہیں۔حکومت کی بنیاد ڈیموکریسی پر ہے اس لئے اگر اس کی غلطیاں واضح کی جائیں، انہیں دنیا کے سامنے پھیلایا جائے اور اپنی مشکلات بیان کی جائیں تو یہ بات بغیر اثر کئے نہیں رہ سکتی۔ یاد رکھو نیکی اور سچائی کی ہمیشہ فتح ہوا کرتی ہے۔اگر حکومت بار بار کے مطالبات پر بھی توجہ نہ کرے تو اس کی غلطیوں کو کھولو، حکام کی زیادتیاں حکومت پنجاب تک پہنچاؤ، اگر وہ بھی نہ سنے تو حکومت ہند تک پہنچاؤ، اگر وہ بھی توجہ نہ کرے تو حکومت برطانیہ تک پہنچاؤ، وہ بھی نہ سنے تو برطانوی پبلک کو سناؤ اور تم دیکھو گے کہ تھوڑے عرصہ میں ہی تمہیں ایسی طاقت حاصل ہو جائے گی کہ شرفاء کا طبقہ تمہاری تائید کرے گا۔کسی قوم میں بھی سارے کے سارے لوگ برے نہیں ہوتے اور میری رائے تو یہ ہے کہ احرار میں بھی سارے برے نہیں ہیں۔ پرسوں ہی ایک دوست کا خط آیا جو میں نے آج ہی پڑھا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ ایک احراری مجھ سے ملنے آیا۔وہ اعتراض کرتا تھا مگر جب اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا جاتا تو ضد چھوڑ دیتا۔یہ ایک خاص پولٹیکل خیالات کی جماعت ہے مگر ان میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان پر حقیقت واضح کی جائے تو مان لیتے ہیں تو پھر انگریزوں میں تو اچھے لوگ بہت زیادہ ہیں۔انگریز قوم ان قوموں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قیامِ امن کیلئے چُنا ہے اس لئے ان میں یقیناً

اچھوں کی زیادتی ہے اور جب پروپیگنڈا کیا جائے گا تو اچھے کھڑے ہو جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ ان زیادتیوں کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جا سکتا اور بھی بیسیوں طریق ہیں جن سے شرفاء متأثر ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے سلسلہ احمدیہ کو اس لئے قائم کیا ہے کہ تا حق وصداقت کو قائم کرے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اس نے ہمیں ہتھیاروں سے محروم ہی رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کیا کرتا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

وہ اگر کہتا ہے کہ بغاوت اور قانون شکنی نہ کرو تو ضروری ہے کہ اس نے حفاظت کے اور ہتھیار رکھے ہوں ورنہ اس پر الزام آتا ہے کہ اس نے ہمیں فتح کے سامانوں سے محروم کر دیا۔ جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے یقین جانو کہ وہ فتح کے سامان نہیں ہیں۔

پس اپنے اندر نیکی تقویٰ طہارت پیدا کرو، دیانت کو مدنظر رکھو، قانون کی پابندی کرو، سلسلہ کی روایات کو برقرار رکھو اور ان دو باتوں کو بھی پیش نظر رکھو۔

اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر ہے۔

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کآخر کنند دعوائے حُبِّ پیمبرم

آپ کے دل کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمان کہلانے والے خواہ کتنے ہی دشمن کیوں نہ ہو جائیں پھر بھی ان کا لحاظ کرنا کیونکہ آخر وہ میرے پیمبر کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

دوم یہ کہ حکومت برطانیہ کے جاہ وجلال کے لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیشگوئیاں ہیں۔ آپ کے یہ الہامات ہمارے لئے ہدایت ہیں پس اپنے کاموں میں انہیں مدنظر رکھو۔ ہاں فتح حاصل کرنے کے لئے ہر قربانی اور جدوجہد کرو صرف اس بات کا خیال رکھو کہ مسلمانوں سے یا حکومت سے ایسا بگاڑ نہ ہو جائے کہ بعد میں اسے دور کرنا مشکل ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لوگ اس طرح کام کریں گے تو اچھے آدمی آگے آئیں گے، ان کی نیکی پھر اُبھرے گی جو بُروں کی بُرائیوں کو دھو دے گی۔ میں اس بات سے آج تک اس لئے روکتا رہا ہوں کہ مجھے ڈر تھا بے احتیاطی نہ ہو

جائے اور اب کہ اس کی اجازت دے رہا ہوں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ احتیاط سے کام کرو۔ ان نصیحتوں کے ساتھ اور ان ہدایات کے ماتحت میں جماعتوں کو اجازت دیتا ہوں کہ جو جماعتیں سمجھتی ہیں کہ ان کے حالات اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اپنے دردِ دل کو حکومت پر ظاہر کریں وہ الگ انجمنیں بنالیں اور پھر بعد میں مَیں ان کو بتاؤں گا کہ وہ کن شرائط اور اقراروں کے ماتحت اپنے معاملات کو حکومت پنجاب، حکومت ہند، حکومت برطانیہ اور پبلک کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور جو جائز ذرائع خدا نے مقرر کئے ہیں ان کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کا محافظ ہو اور اسے اپنے مخالفوں پر فتح دے اور ہر غلط قدم سے اس کی حفاظت کرے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

(الفضل ۲۹ رجنوری ۱۹۳۵ء)

---

۱ **مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارمز** (Montague Chelmsford Report) جنگِ عظیم اوّل میں حکومتِ برطانیہ نے ہندوستانیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر انہوں نے حکومت کو امداد پہنچائی تو انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات کا مستحق سمجھا جائے گا جب جنگ ختم ہوئی تو ہندوستانیوں کی طرف سے مطالبات شروع ہوئے جو ایجی ٹیشن کا رنگ اختیار کر گئے۔ لارڈ چیمسفورڈ، جو لارڈ ہارڈنگ کے بعد ۱۹۱۶ء میں ہندوستان آئے تھے اور اب وائسرائے تھے، نے مسٹر مانٹیگو (Mr.Montague) کی معیت میں ہندوستان کے سیاستدانوں اور مدبروں سے تبادلہ خیالات کر کے ایک رپورٹ تیار کی جو مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم کے نام سے مشہور ہے۔ پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد یہ سکیم گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کا نفاذ ۱۹۲۱ء میں ہوا، جس کے تحت ہندوستانیوں کو حکومت کے انتظام میں حصہ دیا گیا اور بعض وزارتوں پر ہندوستانیوں کو مقرر کیا گیا۔

(ملخّص از نیو تاریخ انگلستان صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳ مطبوعہ لاہور۔ ''آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان'' صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء۔ یونیورسٹی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۶۵، ۳۶۶ مطبوعہ لاہور)

۲ **سر اڈوائر** (Sir O'Dwyer) میکلیگن سر ایڈورڈ ڈگلس۔ ۲۵ راگست ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ اینو کالج آکسفورڈ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء میں آئی سی اے سے منسلک

ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں حکومتِ ہند کے محکمہ مالیات وزراعت میں انڈر سیکرٹری اور ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء سیکرٹری رہے۔ ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۸ء محکمہ تعلیم سے تعلق رہا۔ ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر اور ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۴ء گورنر رہے۔ سی ایس آئی، کے سی آئی ای اور کے سی ایس آئی کے خطابات کے حامل تھے۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۶۷۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۔ سر میلکم ہیلی۔ پیدائش ۱۸۷۲ء۔ ۱۹۰۲ء میں آئی سی ایس جہلم میں آبادکاری کے افسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں حکومت پنجاب کے سیکرٹری بنے۔ ۱۹۰۸ء میں حکومت ہند کے ڈپٹی سیکرٹری بنے۔ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۹ء چیف کمشنر دہلی رہے۔ ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء حکومت ہند کے فنانس ممبر رہے۔ ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء ہوم ممبر رہے۔ گورنر پنجاب اور گورنر یوپی بھی رہے۔ ان کا شمار نہایت قابل انگریز افسروں میں ہوتا ہے۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۴۔ لارڈ ولنگڈن۔ مدراس اور بمبئی کے گورنر پھر ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۶ء وائسرائے ہند رہے۔ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس ان ہی کے عہد میں لندن میں ہوئی۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۵۔ رولٹ ایکٹ۔ ۱۹۱۹ء میں جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان میں تحریکِ آزادی کی ایک لہر پیدا ہوئی جسے روکنے کے لئے جسٹس رولٹ کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم ہوئی۔ کمیٹی کی رپورٹ پر ایسا قانون بنایا گیا جس کی رُو سے حکومت کو تخریبی کارروائیاں روکنے کے لئے وسیع اختیارات مل گئے۔ اس قانون کو رولٹ ایکٹ کا نام دیا گیا۔

۶۔ لارڈ چیمسفورڈ۔ جنگِ عظیم کے دوران لارڈ ہارڈنگ کے چلے جانے پر لارڈ چیمسفورڈ ۱۹۱۶ء میں ہندوستان تشریف لائے اور ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک وائسرائے رہے۔ انہوں نے جنگِ عظیم میں فوج اور سامانِ جنگ بھیجنے کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔
(یونیورسٹی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ لاہور)